حافظ محمود شیرانی کا لسانی نظریہ: ایک پنجاب اور دو زبانیں (لسانی وتنقیدی مطالعہ)

ڈاکٹر قاضی عابد*
اجمل مہار ابنِ اکبر**

Abstract:

This article reflects that Mr. Sheerani was very first man in the history of Indo-Pak sub-continent linguistics who with strong arguments said that Punjab is a region where at least two languages are spoken Punjabi & Saraiki. This article discusses this idea with new facts and research. The author has tried to make a comparative study of Punjabi and Saraiki phonetics too. He has proved that not one but two languages are spoken in Punjab region, i.e. Punjabi and Saraiki. Although these two languages have some similarities but these are totally different from one another. Both these languages have their own phonetics, syntax and other linguistic characteristics.

علامہ حافظ محمود شیرانی ۱۸۸۰ء میں ٹونک (انڈیا) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور چلے گئے۔ ادبی ذوق کی تکمیل لاہور کی علمی فضاء کا نتیجہ ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں اُردو اور فارسی کے اُستاد کے طور پر کام شروع کیا تو اس کالج کے پرنسپل علامہ عبداللہ یوسف علی کی خواہش پر انہوں نے 'پنجاب میں اُردو' تحریر کی۔ اس کتاب کو پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں لاہور کی 'انجمن ترقی اُردو' نے شائع کیا۔ محمود شیرانی باراول کی اشاعت سے مطمئن نہ تھے اور کتاب

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
** پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

کے مختلف پہلوؤں پر مزید کام کرنے کے خواہش مند تھے اور کچھ عنوانات میں اضافہ و تنسیخ کرنا چاہتے تھے۔ محمود شیرانی کا انتقال قیامِ پاکستان سے ایک سال پہلے ۱۵رفروری ۱۹۴۶ء میں ہو گیا تھا۔

حافظ محمود شیرانی جس وقت اسلامیہ کالج لاہور میں اُردو کے اُستاد کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اُس زمانے میں پنجابی اور اُردو سے متعلق بحث علمی و ادبی حلقوں، اخبارات اور جرائد وغیرہ میں جاری تھی اور خصوصاً صوبہ پنجاب میں پنجابی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی تجویز بھی سامنے آئی تھی، پنجاب میں ایسی صورت حال میں اُردو کے خیر خواہوں نے اپنی تحریروں میں پنجاب سے اُردو کی وابستگی اور پنجابی سے اُردو کا تعلق جوڑنے کی کوشش شروع کر دیں تا کہ پنجابی زبان بولنے والے اُردو کو دھکیل کر جنوبی ہند تک محدود نہ کر دیں۔ ایسی ہی معاندانہ صورت حال میں حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اُردو'' کتاب تیار کی۔ کتاب کی اشاعت کے بعد اس پر طنز و تنقید کا جو عمل شروع ہوا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب عجلت میں مرتب کی گئی اور حافظ محمود شیرانی اس کی اشاعت سے مطمئن نہ تھے۔ حافظ محمود شیرانی نے ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کو لکھے گئے خط میں اپنی تصنیف پر خود تبصرہ فرمایا ہے:

> ''آپ کے اعتراضات ایک حد تک بجا اور درست ہیں میں عجلت میں تھا بالخصوص پرنسپل عبداللہ یوسف علی کی تاکید کی بنا پر مجھ کو یہ کتاب قبل از وقت شائع کرنا پڑی اور کئی موقعوں پر اس میں اجتہادی یا دوسری قسم کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔''(۱)

حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب کو آٹھ بڑے عنوانات میں تقسیم کر کے ذیلی عنوانات پر بحث کی ہے۔ اُردو کا آغاز، اُردو کے مختلف نام، اُردو کا برج بھاشا سے تعلق، پنجاب مسلمانوں کا مرکز، پنجابی زبان، پنجابی اور اُردو کا تعلق، پنجاب میں اُردو، مشاہیر پنجاب، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حافظ محمود شیرانی نے اُردو زبان کی ابتداء سے متعلق جو مختصر بحث کی ہے وہ روایتی قسم کی ہے۔ اُردو کے مختلف نام، زبان دہلوی، گوجری، دکنی، زبان ہندوستانی، ہندوی اور ہندی اُردو کے قدیم نام بتائے ہیں امیر خسرو کا دہلوی اور لاہوری کا حوالہ دیتے یں مگر ابوالفضیل کی ''آئینِ اکبری'' میں ملتانی زبان کا اہم حوالہ نہیں دیا۔ اُن کی تصنیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیروانی مورخ، محقق ہونے کے علاوہ عتقیات یعنی پرانی تحریروں، قدیم عبارتوں سے گہری واقفیت اور دلچسپی رکھتے تھے اور اُن کے پاس پنجابی زبان سے متعلق بہت سا علمی و ادبی مواد موجود تھا جو قدیم مخطوطات اور موادات کی صورت میں تھا اور اس کو سامنے رکھ کر اور لاہور جو پنجابی زبان کا مرکز تھا میں رہ کر 'پنجاب میں اُردو' لکھ ڈالی۔

حافظ محمود شیرانی 'لاہور مسلمانی مرکز' کے عنوان میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کا جو تجارتی فوجی اور سرکاری خدمات کی غرض سے پنجاب میں تھے کو مدنظر رکھ کے ذکر کر رہے تھے جبکہ انہوں نے عرب سیاح، ابنِ حوقل، اصطخروی،

بشاری مقدسی، مسعودی، البیرونی وغیرہ کی ملتان آمد اور ملتانی تہذیب و معاشرت اور زبان کے جو حوالے انہوں نے اپنے سفر ناموں میں درج کئے ہیں انہیں اہمیت نہیں دی۔

سرائیکی وسیب بشمول صوبہ سندھ سے اسلام کا تعارف خلفا راشدین کے نظام حکومت ہی سے شروع ہو چکا تھا اور پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمان وادیٔ سندھ میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ ملتان ُاُوچ اور منصورہ ٗ میں پہلی مسلم حکومت کی بنیاد ڈالی۔ صوبہ ملتان ۳۰ سال بنواُمیہ اور ۹۰ سال بنوعباس کے زیر ماتحت رہا اور اسی دوران ملتان میں عربی اور فارسی دفتری زبانوں کے طور پر رائج ہوئیں۔ ان زبانوں کا خاطر خواہ اثر پہلے پہل سرائیکی وسیب میں ہی پڑنا شروع ہوا۔ چوتھی صدی ہجری میں صوبہ ملتان اسلامی سلطنت میں شامل ہو چکا تھا اور یہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد بھی موجود تھی جبکہ لاہور کی کوئی زیادہ اہمیت نہ تھی اور اس میں کسی مسلم آبادی کا ذکر نہیں ملتا۔

'ابوظفر ندوی'، 'تاریخ سندھ' ضمیمہ کے عنوان میں ایران کی ایک جغرافیہ پر مشتمل کتاب 'حدود العالم عن المشرق الی المغرب' جس کا سنِ تصنیف ۳۷۲ھ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی میں سے چند اہم تاریخی حوالے:

۱۔ اس کتاب سے قبل جس قدر جغرافیے، سفر نامے اور تاریخ پر کتابیں ملتی ہیں۔ کسی میں لاہور کا ذکر نہیں ملتا۔

۲۔ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی اسلامی ریاست کی طاقت جو مسعودی (۳۰۳ھ) کے زمانے سے برسرعروج ہوئی تو وہ ۳۷۲ھ تک قائم رہی چنانچہ ملتان سے لیکر جالندھر تک کا ملک اس کے زیر نگیں رہا اور گو لاہور شہر اسلامی ریاست میں شامل تھا، مگر اس کی کوئی زیادہ اہمیت نہ تھی بلکہ اس سے زیادہ اہمیت سرحدی شہر کے سبب جالندھر کو ہے۔

۳۔ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ۳۷۲ھ غزنوی کی نوخیز سلطنت نے عالم اسلام میں کوئی اہمیت حاصل نہیں کی تھی۔(۲)

۳۷۲ھ یعنی چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر تک لاہور مسلمان آبادی کا مرکز نہیں تھا اور نہ ہی لاہور میں کوئی مسلمان آباد تھا۔ ابوظفر ندوی 'ہندوستان کے شہروں کا بیان' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''لاہور ایک بڑا شہر جس کے متعلق ایک وسیع خطہ ہے اس کا بادشاہ (حاکم) امیر ملتان کے ماتحت ہے۔ اس کے اندر بازار اور بت خانے ہیں یہاں کے باشندے بت پرست ہیں اور یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے۔''(۳)

حافظ محمود شیرانی نے پنجاب اور دہلی کے تعلقات کو مسلمانی عہد کے تاریخی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا پہلا حوالہ محمود غزنوی کی پنجاب کی فتوحات سے جوڑا ہے حالانکہ محمود غزنوی کے وادی سندھ پر حملے کے

کوئی خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے، صرف یہ کہ سرائیکی وسیب 'اُوچ و ملتان' میں اسماعیلی (۳۷۴ھ تا ۴۰۱ھ) حکومت کے لاہور کے ہندو راجہ جے پال اور اُس کے بیٹے انند پال سے دوستانہ مراسم تھے۔ اِن میں سرحدیں ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے بیرونی حملے کی صورت میں مل کر جنگ کرنے کا معاہدہ بھی تھا۔ محمود غزنوی کو صوبہ ملتان کی مسلم حکومت سے پہلے کوئی شکایت نہ تھی لیکن جس وقت لاہور پر محمود نے حملے کیے تو اسماعیلوں نے معاہدے کے تحت ہندو راجے کا ساتھ دیا۔ محمود غزنوی کو امیر ملتان کی اس روش پر بے حد غصہ آیا۔ اسی وجہ سے اُس نے ملتان اور اُوچ پر حملہ کر کے اسماعیلیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔"(۴)

یحییٰ امجد غزنوی فتوحات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وادی سندھ میں غزنوی حکومت قائم ہونے سے کوئی دور رس مادی تبدیلیاں نہیں آئیں صرف یہ فرق پڑا جو بدھ مت جو اکثر پیش مذہب تھا ختم ہو گیا اور اس کی جگہ اسلام آ گیا۔"(۵)

حافظ محمود شیرانی کے مطابق:

محمود غزنوی (۳۸۸ھ، ۴۲۱ھ) نے لاہور قبضے کے بعد فوج کی ایک بڑی تعداد جمع کی جن میں ترک، افغان، مسلم، ہندی، سپاہی، مفتوحہ علاقوں میں آ کر آباد ہوئے حافظ محمود شیرانی دوسری صدی ہجری سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے اوئل تک وادی سندھ میں مسلمانوں کی تین سو سالہ تاریخ کو نظر انداز کر گئے جبکہ یہی درمیانی زمانہ تھا جب صوبہ ملتان میں مسلم حکومت مستحکم ہو چکی تھی اور یہ علاقہ اسلامی آبادی کا ایک بڑا ملک شمار کیا جاتا تھا۔

حافظ محمود شیرانی چھٹی صدی ہجری میں ملتانی سوداگروں کی کثیر تعداد، جو دہلی میں جا کر آباد ہوئی کا ذکر بھی خاص طور پر کرتے ہیں ان تاجروں کو سلطنت کے معاملات میں بھی خاص اہمیت حاصل تھی بلکہ ان کے پاس خاص عہدے بھی تھے۔ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

"انہیں ایام میں ملتانی لوگ بھی جوق جوق جا کر دہلی میں آباد ہو گئے ہیں ان میں بعض تجارت کرتے تھے۔ ممالک غیر سے براہ راست ان کے تعلقات تھے تاریخ میں سب سے پہلے ملتانیوں کا ذکر غیاث الدین بلبن کے عہد میں ملتا ہے وہ ساہوکارہ کا کام کرتے تھے۔ امراء اور رؤسا کو روپیہ قرض دیا کرتے تھے اور اپنی دولت مندی کیلئے ضرب المثل تھے۔ علاؤالدین خلجی کے عہد میں وہ سلطنت کے معاملات میں بھی دخیل ہیں۔ بعض ان میں بڑے بڑے عہدوں کے مالک تھے۔"(۶)

حافظ محمود شیرانی نے ان ملتانی افراد کو پنجاب اور پنجاب کے تناظر میں دیکھا ہے جبکہ ملتانی زبان کو یکسر نظر انداز کر گئے ہیں۔ حالانکہ صوبہ ملتان کی معاشی، معاشرتی اور ثقافتی اہمیت کے پیش نظر دہلی، دکن اور گجرات کے ساتھ

با ہم تجارت اور معاشرتی روابط کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ملتانیوں کے ان علاقوں میں کثیر تعداد میں جا کر آباد ہونے کی وجہ سے سرائیکی (ملتانی) زبان کے قدیم اثرات دہلوی، دکنی اور گجراتی زبان ادب پر بہت زیادہ ہیں۔

اُردو کے قدیم دہلوی، دکنی اور گجراتی شعراء کے کلام اور قدیم لغات میں سرائیکی زبان (ملتانی) کے ٹھیٹھ الفاظ کا استعمال اِس بات کا ثبوت ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے غلاماں خاندان کے دَور میں پنجاب کی جو اہمیت بیان کی ہے اُس میں لاہور ملتان اور سندھ یکساں طور پر 'سلطنتِ دہلی' کے ماتحت آتے ہیں ان میں ملتان اور سندھ کی صوبائی اہمیت پھر بھی قائم رہتی ہے اسی وجہ سے ملتان اور سندھ کے گورنران (جو دہلی حاکم کے پابند تھے) اپنی ریاستی حاکمیت میں خود مختیار تھے جبکہ افراد کی عسکری قوت ملتان ہی سے لی جاتی ہے۔

> ''غلاموں اور ان کے جانشین خلیجوں کے دور میں پنجاب کو اس عہد کی سیاسی وجوہ کی بنا پر زبردست اہمیت مل گئی۔ یعنی چنگیزی مغلوں کے حملے بار بار ہند پر ہوتے تھے ان حملوں کی روک تھام کیلئے سلاطین دہلی حکومت ملتان اور دیپالپور کے لئے اکثر تجربہ کار، بہادر سپہ سالار کو ہی سلطنت کے لیے نامزد کرتے تھے۔ جو ایک بڑی فوج کے ساتھ ہر وقت ان کے مقابلے کیلئے تیار رہتا تھا۔''(۷)

حافظ محمود شیرانی دہلی دربار میں پنجاب کے بعض مشاہیر، امراء اور فضلا کے دیکھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ جو پہلی صدی ہجری کے بعد یہاں آئے تھے حافظ محمود شیرانی پنجاب کی جس علمی وادبی اور مذہبی اہمیت کا ذکر کرتے ہیں اُن کو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ملتان اور سندھ میں مسلمان علماء، فضلاء، صوفیا اور سادات کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے آتی ہے کے تناظر میں دیکھنا چاہیے تھا اس وقت تو ملتان اور اُوچ اسلام کے مرکز تسلیم کیے جاتے تھے۔ یہاں مسلمانوں نے مساجد، مذہبی اور فقہی درس گاہیں قائم کیں اور اسلام کی تبلیغ اور ترویج کا پہلا مرحلہ ان شہرون سے شروع ہو کر ہندوستان کے باقی علاقوں میں بعد میں پہنچا۔ ڈاکٹر روبینہ ترین اِسی حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''اسی طرح صوفیاء کرام کی بدولت تہذیب و زبان پر نہایت دور رس اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے۔ یہ صوفیاء عظام برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچے، ملتان تو ان کیلئے ایک مرکز شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں صوفیا زبان تک سیکھنے کے لئے آتے تھے چنانچہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ زبان میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے ملتان تشریف لائے۔ اسی طرح قطب الدین بختیار کاکیؒ، امیر خسروؒ اور خواجہ حسن دہلویؒ کو بھی ملتان میں قیام کا موقع ملا، انہوں نے یہاں کی زبان کے اثرات قبول کیے۔ ملتان کے صوفیا کا فیض برصغیر سے نکل کر باہر کی دنیا تک پہنچا۔''(۸)

حافظ محمود شیرانی پنجابی اور لہندا کی بحث میں پنجاب کی زبان پنجابی قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے امیر

خسرو اور ابوالفضل کا حوالہ بھی دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ملک پنجاب کی زبان آج کل پنجابی کے نام سے موسوم ہے، امیر خسرو اس کو لاہوری کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ابوالفضل ملتانی کہتا ہے۔''(۹)

محمود شیرانی کا یہ موقف درست نہیں، امیر خسرو (وفات ۷۲۵) تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں ہندی، فارسی اور اُردو کے باکمال شاعر تھے۔ امیر خسرو نے جس زبان کو لاہوری کہا ہے وہ پنجابی نہیں بلکہ پنجابی زبان کا ایک لہجہ تو ہوسکتا ہے جو جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے ملتانی سے زیادہ قریب ہے۔ ابوالفضل نے جس کو ملتانی کہا ہے وہ زبان مکمل طور پر صوبہ ملتان کی بری زبان ہے۔ مغل شہنشاہِ اکبر اعظم (سولھویں صدی عیسوی) کے معتمد وزیر ابوالفضل نے ہندوستان کے' آئین اکبری' میں ہندوستان کے صوبوں اور شہروں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی زبانوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ بڑی زبانوں میں 'ملتانی' زبان کا ذکر خاص طور پر آتا ہے۔ جبکہ لاہوری زبان کا ذکر انہوں نے کیا ہی نہیں ہے ممکن ہے وہ لاہوری زبان کو ملتانی لہجے میں شمار کر گیا ہو۔

جارج گریرسن نے ہند آریائی گروہوں کی جو لسانی تقسیم کی ہے اس کے مطابق زبانوں کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اندرونی دائرے اور دوسرا بیرونی دائرہ کی آریائی زبانیں ان کی لسانی اور ترکیبی خصوصیات کے لحاظ سے حسبِ ذیل تقسیم ہے۔

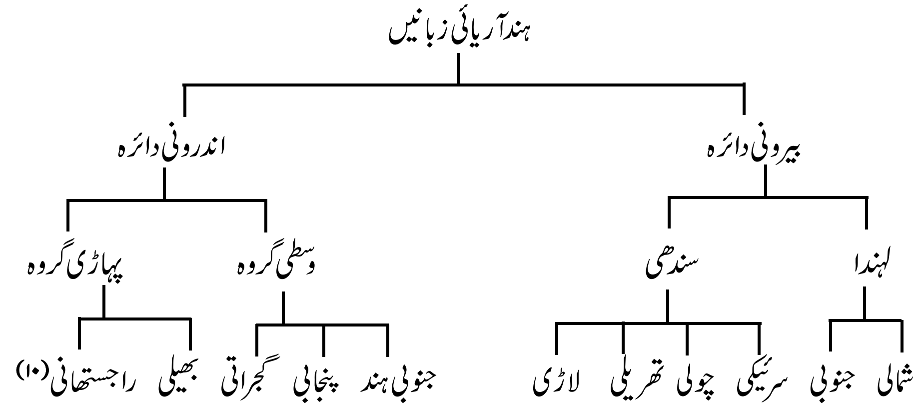

گریرسن کی اس لسانی تقسیم کے مطابق پنجابی اندرونی دائرہ کی زبان ہے اور لہندا اور ملتانی اور سندھی بیرونی دائرے کی اس لئے حافظ محمود شیرانی لہندا کا پنجابی زبان کی ہی شکل قرار دینا درست نہیں کیونکہ لہندا و ملتانی میں تو بہت کم فرق ہے جبکہ لہندا اور پنجابی میں نمایاں فرق موجود ہے لہذا وہ زبان ہے جو سرائیکی کے زیادہ قریب ہے۔

ڈاکٹر میمن عبدالحمید سندھی لکھتے ہیں:

''ملتان کی سرائیکی آگے بڑھ کر پنجابی سے جا ملی ہے اور پنجابی زبان کی حدود اپر دو زبان سے ملتی ہے اس تدریجی علاقائی تبدیلی کو دیکھ کر ہم وثوق کسے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سرائیکی زبان وادی سندھ کی زبان کی وجہ درمیانی کڑی ہے جو سندھی زبان کو پنجابی سے سرائیکی ملاتی ہے لہٰذا ہند کو اور کشمیری سے بھی تعلقات کا ذریعہ بنی ہے۔''(۱۱)

حافظ محمد شیرانی نے پنجابی کے جن شعراء کا تذکرہ کیا ہے ان میں سرائیکی (ملتانی) زبان کے شاعر بھی شامل ہیں۔

شیخ فریدالدین گنج شکر ملتانیؒ، مولانا عبداللہ عبدی ساہیوالی☆ مولانا خدا بخش تونسویؒ اور علی حیدر ملتانیؒ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے یہ تمام شاعر سرائیکی (ملتانی) زبان کے ہیں جبکہ مذہبی شعراء کی تعداد اس کے علاوہ ہے جن کا ذکر محمود شیرانی نے کیا ہی نہیں ہے۔ 'پنجابی اور اُردو کا تعلق' کے عنوان سے محمود شیرانی نے گرائمر کی رُو سے زبان کی بہت سی مثالیں پیش کیں ہیں۔

اِس بحث سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ جن اُصولوں پر اُردو اور پنجابی کا لسانی اشتراک دکھایا گیا ہے سرائیکی (ملتانی) زبان کا بھی وہی ہے۔ دوسرا محمود شیرانی نے قدیم اُردو شعراء کے جو نمونے مثال کے لیے پیش کیے ہیں اُن میں سرائیکی (ملتانی) زبان کے بھی بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں۔

۱۔ مصدر بنانے کا قاعدہ پنجابی، سرائیکی اور اُردو میں یکساں ہے۔ اُردو کی علامات 'نا' پنجابی اور سرائیکی میں 'ن' سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً

اُردو	پنجابی/سرائیکی	
آنا	آن	آون
جانا	جان	جاون
پڑھنا	پڑھن	پڑھن

مخصوص الفاظ

اُردو	پنجابی/سرائیکی	
میں	میں	میں
تو	توں	توں
وہ	او	اوُہ

آپ/تم　　　　توں　　تُساں

۲۔ تذکیر و تانیث کے قواعد پنجابی، سرائیکی اور اُردو کے یکساں ہیں مثلاً ایسے الفاظ جو 'الف' پہ ختم ہوتے ہیں اور مونث کی حالت میں پر ختم ہوتے ہیں۔

اُردو		پنجابی/سرائیکی	
مذکر	مونث	مذکر	مونث
بکرا	بکری	بکرا	بکری
گھوڑا	گھوڑی	گھوڑا	گھوڑی
کالا	کالی	کالا	کالی (۱۲)

جب اسم مذکر حروف علت کے سوا حروفِ صحیح پر ختم ہو تو پنجابی/سرائیکی اور اُردو میں تانیثیت کے لیے 'نی' یا 'انی' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

مذکر	مونث پنجابی/سرائیکی	مونث اُردو
مغل	مغلانی	مغلانی
لوہار	لوہارنی/لوہارن	لوہارنی/لوہارن
دیور	دیورانی	دیورانی (۱۳)

اگر مذکر 'ی' پر ختم ہو تو مونث میں 'ی' نون سے بدل جاتی ہے۔

مذکر	مونث پنجابی/سرائیکی	مونث اُردو
میراثی	مراثن	مراثن
تیلی	تیلن	تیلن
موچی	موچن/موچیانی	موچن
جوگی	جوگن	جوگن (۱۴)

'نی' لاحقہ تانیث جو زمیندارنی، فقرنی، ڈومنی وغیرہ میں دیکھتے ہیں۔ درحقیقت پنجابی میں عام علامت ثانیث ہے جو عورت کو خطاب کے لئے ابتداء میں لائی جاتی ہے۔ مثلاً 'نی کڑیے' (اے لڑکی) جبکہ سرائیکی میں 'اڑی چھوکری' اُردو میں 'ری چھوکری' آتا ہے جبکہ پنجابی میں نی 'شیر محمد دی ماں' اور سرائیکی میں 'اڑی شیر محمد دی ماں' اور اُردو میں 'ری شیر محمد کی ماں' آتا ہے۔ (۱۵) اعلام و اسما اور اسمائے صفات پنجابی، سرائیکی اور اُردو میں الف پہ ختم ہوتے ہیں۔

برج بھاشا میں واؤ مجہول پر ختم ہوتا ہے۔

اُردو	پنجابی/سرائیکی
لڑکا/چھوکرا	منڈا ۔ چھوکرا
گھوڑا	گھوڑا☆ ۔ گھوڑا
نیولا۔نیول	نیولا۔ نیول(۱۶)

محمود شیرانی کے مطابق 'خالق باری' میں لفظ 'نیول' ملتا ہے۔مصرع: ''کثرِ دم بچھورا سو نیول' استعمال ہوا ہے۔جو قدیم اُردو لغت اور سرائیکی میں یکساں ہے۔

۴۔ اسماء صفات تذکیر و تانیث اور جمع واحد موصوف کی حالت کے مطابق ہوتے ہیں۔مثلاً

اُردو	پنجابی/سرائیکی
اونچا گھوڑا	اُچا گھوڑا☆☆ ۔ اچا گھوڑا
میرا لڑکا/چھوکرا	میرا منڈا۔ میڈا چھوکرا
چھوٹی لڑکی/چھوٹی چھوکری	نکی کڑی۔ نکی چھوکری(۱۷)

حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق کی مرتب شدہ 'مولا نا وجہی' کی کتاب 'سب رس' ۱۰۴۰ء میں جو فقرہ مثال کے طور پر درج کیا ہے وہ سرائیکی اور اس کے شمالی لہجے 'آسی، ویسی کھوسی وغیرہ' کے الفاظ کی صورت میں ملتا ہے جبکہ پنجابی میں آئے گا، کھاوے گا میں بولا جاتا ہے۔''جس میں عشق کا کچھ درد اس کتاب کو سینے پر تے ہلاسی، نا اس کتاب بغیر اپنا وقت بہلاسی۔''(۱۸)

محمود شیرانی، مولوی عبدالحق کے حوالے سے 'رسالہ اُردو' حصہ بست و ششم میں 'میراں جی'، 'شمس العشاق' کی تصنیفات پر ایک مضمون لکھا ہے اِس میں سے شعر درج کرتے ہیں:

توں جس کو 'بھاوے' جوڑ
نا جاسی یہ گن چھوڑ (۱۹)

اِس شعر میں 'توں'، 'بھاوے'، 'جوڑ'، 'نا جاسی'، 'گن'، سرائیکی زبان کے ٹھیٹھ الفاظ ہیں۔پنجابی میں 'سی' پہ ختم ہونے والا لفظ 'ماضی' میں شمار ہوتا ہے جبکہ سرائیکی میں مستقبل کے لیے آتا ہے۔

☆،☆☆ پنجابی میں لفظ 'کوڑا' بولا جاتا ہے جب کہ سرائیکی اور اُردو میں 'گھوڑا'۔

پنجابی	سرائیکی
اوہ آیا سی (ماضی)	اوہ آسی (مستقبل)
میں آیا سی (ماضی)	میں آساں (مستقبل)
توں آیا سی (ماضی)	توں آسیں (مستقبل)

محمود شیرانی نے 'سی' کی جس قدر مثالیں دی ہیں سب صیغہ واحد غائب میں ہیں اور اسے مستقبل ہندوستان کی زبانیں، گجراتی، مارداڑی اور سرائیکی (ملتانی) کی مثالیں دے کر واضح کیا ہے۔ سرائیکی (ملتانی) میں مریساں، توں مرسیں، اومریسی اساں مریسوں۔ (۲۰)

عبدالحکیم اُچوی:

کہیا ہک سن اساڈی گال کھڑ کے
کہیا کوئی نہیں میں نال کھڑ کے (۲۱)

حافظ محمود شیرانی نے جو مثال یہاں پیش کی ہے وہ قدیم اُردو کی سرائیکی مثال ہے نہ کہ پنجابی کی۔ حافظ محمود شیرانی لفظ 'تھیا' بمعنی قدیم اُردو 'ہونا' کے ہیں۔ سرائیکی (ملتانی) زبان کے مصدر تھیونا (بمعنی ہونا) قرار دیا ہے لیکن وضاحت میں اسے سندھی اور پنجابی اور اُردو کا جملہ قرار دیا ہے۔

برکت شیخ تھیا اک موا اک نہا (۲۲)

(تاریخِ فیروز شاہی، من شمس غفیف، ص ۳۲۱)

حافظ محمود شیرانی نے 'تاریخ فیروز شاہی' کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ سرائیکی (ملتانی) زبان کے الفاظ 'تھیا'، 'اک'، 'موا' (مرا) 'نہا' ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے مولوی عبداللہ عبدی ساہیوالی کے شعر کی جو مثال پیش کی ہے وہ سرائیکی کے شمالی اور ملتانی لہجے میں اسی طرح ہے جب کہ پنجابی میں اس کے لیے لفظ 'ہووین'، 'ہوین' آتا ہے۔

اوّل صفت ثناء ربےنوں رب تھیں بعد رسول
پڑھو صلواتاں حضرت بھیجو دائم تھیو قبول (۲۳)

(نص فرائض، ص ۵)

حافظ محمود شیرانی نے پنجابی قاعدے کی جو مثال پیش کی ہے۔ وہ سرائیکی زبان کے لیے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے لغت سے تانگا اور تانگے کو تابع مہمل قرار نہیں دیا بلکہ مصدر تانگنا سے مشتق ہے اور مانگنا کے مترادف قرار دیا ہے۔ مثال کے لئے عبدالحکیم اُچوی کے شعر کی مثال دی ہے۔

نہیں لیکن کسے دی تانگ اوسنوں
عزیز مصر لائی سانگ اوسنوں (۲۴)

اِس میں 'تانگ' (بمعنی انتظار) سانگ (بمعنی تعلق/سنگت) سرائیکی الفاظ ہیں۔ اسی طرح شیرانی کہتے ہیں چپ چپاتے اور چپ چپاتا کو اُردو میں تابع مہمل مانتے ہیں چپاتا کو حسن کلام کہتے ہیں جبکہ پنجابی میں بامعنی لفظ ہے:

عبدالحکیم اُچوی:

جڈن یعقوب اس گل نو بچھاتا
عذر آکھن کنوں ہویا چپاتا (۲۵)

'چپاتا' چپ کا مترادف ہے۔ یہاں جڈن، گل، بچھاتا، آکہن، کنوں اور 'چپاتا' سرائیکی الفاظ ہیں۔

عبدالحکیم اُچوی:

آیا چوتھے دہاڑے قافلہ گھیر
شہر مدین کنوں اِس کھوہ دے پھیر (۲۶)

حافظ محمود شیرانی کے مطابق دن دیہاڑے ایک محاورہ ہے اہلِ اُردو دیہاڑے کو تابع مہمل مانتے ہیں جبکہ دیہاڑ حقیقت میں پنجابی لفظ ہے اور دِن کے معانی دیتا ہے جبکہ دیہاڑ ڈھیٹھ سرائیکی لفظ ہے پنجابی میں دِن استعمال ہوتا ہے یہ سرائیکی لفظ 'ڈینہ' سے ڈیہاڑ ہے۔

محمود شیرانی 'امیر خسروؒ کے شعر کی ایک مثال پیش کرتے ہیں:

من کہ بر سر نمی نہادم گُل
بار بر سر نہاد و گفتا جُل (۲۷)

محمود شیرانی لفظ 'جل'، 'ہلنا'، 'چلنا' وغیرہ میں چلنے کو ہلنے کا تابع قرار دیتے ہوئے امیر خسرو کے شعر کی جو مثال پیش کی ہے وہ سندھی اور سرائیکی میں یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے نہ کہ پنجابی زبان میں۔ یائے مخلوط قدیم زبانوں میں اُردو اور پنجابی دونوں کی مثال محمود شیرانی نے پیش کی ہے وہ اُردو میں متروک ہو چکی ہے۔

عبدالحکیم اُچوی:

دنے راتیں گذاریں اس طرح نال
نہ ہوس دور دل توں یارا دا خیال (۲۸)

اِس میں ہوس بمعنی ہوویں، فعل ومفعول مشترک ہیں مثلاً کھادس، پٹوس، گیوس وغیرہ۔ سرائیکی زبان کی واضع مثال ہے۔ محمود شیرانی نے ایسے الفاظ جن میں ثانی حرفِ علت ہو۔ بہ تخفیف حروفِ علت تلفظ کیا جاتا ہے۔ مثلاً 'کان'، 'ناک'، 'ہاتھ' اور 'لات' پنجابی لہجہ میں کن نک، ہتھ، لت بن جاتے ہیں کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں جو سرائیکی اور پنجابی زبان میں مشترک ہیں۔

بھاشا	پنجابی/سرائیکی	اُردو
کھانڈ	کھنڈ	کھانڈ
چاچا	چاچا	چچا
کابوت	کبوتر	کبوتر
بھانگ	بھنگ	بھنگ (۲۹)

حالتِ مجروری میں پنجابی/ سرائیکی کے لفظ کے آخر میں 'وں' بڑھا دیتے ہیں مثلاً پچھوں، ہتھوں، یعنی پیچھے سے اور ہاتھ سے۔

عبدالحکیم اُچوی:

پچھوں اس تھیں کڑی بہوش ہو کے
سوتی نہ ذرہ توڑیں روئے دھوکے (۳۰)

اِس میں ٹھیٹھ سرائیکی لفظ توڑے/ توڑیں پچھوں استعمال ہوا ہے۔

الفاظ	سرائیکی	اُردو	سرائیکی
تک	تائیں	آگے	اگوں
نیچے	تلے	اندر	اندروں
باہر	بارھوں (۳۱)		

عبدالحکیم اُچوی:

سونراں نے اسے تائیں لیایا کھاہ
میں ہاں حیران اوسے کان اے شاہ (۳۲)

شیرانی نے لفظ 'کان' کی جو مثال دی ہے۔ سرائیکی میں کان اور کارن 'واسطے'، 'طرح'، 'راستہ' کے معنی میں آتا ہے۔ مولوی عبدالحکیم جھنگوی نے نجات المومنین میں بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

فرض مسائل فقہ دے ہندوی کر تعلیم
مرداں کارن امیاں جوڑے عبد الکریم (۳۳)

لفظ 'کھیر' ٹھیٹھ سرائیکی علاقے میں بولا جانے والا لفظ ہے۔ جو قدیم اُردو میں بھی استعمال ہوا ہے۔ شیرانی نے قدیم اساتذہ دکن کے شعر سے جو مثال دی ہے۔ وہ میراں جی شمس العشاق کی ہے۔

تھاں دیکھنیں لا گا بالک لکھ نہ آوے کھیر
جس کے انگو بھرم نہ جاوے اس کیوں کہنا پیر (۳۴)

اِس شعر میں 'تھاں' دیکھیں۔ لاگا، بالک، لکھ، کھیر، انگو/اگوں، بھرم سرائیکی الفاظ ہیں۔ محمود شیرانی نے پنجابی کے لفظ جو اُردو میں باہم تبدیل ہو جاتے ہیں کی مثال پنجابی کی 'واؤ' اُردو میں 'بے' میں بدل جاتی ہے۔ سرائیکی میں بھی اسی طرح سے ہے:

پنجابی/سرائیکی	اُردو	پنجابی/سرائیکی	اُردو
ویچنا	بیچنا	وال	بال
ورتاوا	برتاوا	وچارا	بیچارا
وٹا	وٹہ	ویاج	بیاج
وگھ	بیگھ	وگاڑ	بگاڑ (۳۵)

حافظ محمود شیرانی کے مطابق پنجابی کی 'ف' اُردو میں الف سے بدل جاتی ہے جو مثال پیش کی ہے وہ سرائیکی میں اسی طرح جبکہ پنجابی میں مختلف ہے:

پنجابی	سرائیکی	اُردو
اک	ہک	ایک
اک وار	ہکوار	ایک بار
تاگا	دھاگہ	دھاگہ (۳۶)

حافظ محمود شیرانی نے اپنی تفصیلی بحث 'قدیم اُردو پر پنجاب کا اثر' کے عنوان سے کی ہے اور کہا ہے کہ قدیم اُردو میں پنجابی لہجہ غالب تھا اور کہتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اس کا ثبوت بہت دشوار ہے۔ اس لیے کہ ان ابتدائی زمانوں کے جبکہ مسلمان ہجرت کر کے دہلی آباد ہوئے نیز اِس کے بعد تین صدیوں تک کوئی کتابی نمونے ہم کو نہیں ملتے اور نہ ہم کو یہ علم ہے۔ اِس عہد میں برج اور پنجابی میں کیا فرق تھا؟ اور برج، پنجابی اور اُردو کے نمونوں کی عدم

دستیابی کی وجہ سے ہمارا کام مشکل ہو گیا۔ جب مسلمانوں کا کثیر گروہ قطب الدین ایبک کے ساتھ شمال سے ہجرت کر کے دہلی آیا تو اپنے ساتھ پنجاب سے کوئی نہ کوئی زبان ضرور لے گیا ہے۔ آیا یہ موجودہ پنجابی کی شکل تھی یا اس کی کوئی شاخ تھی جواب معدوم ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ (۳۷)

حافظ محمود شیرانی قدیم اُردو پر پنجابی لہجے کے غالب ہونے کا ذکر کرتے ہیں مگر ثبوت کے طور پر (ملتان وسندھ) وادی سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ اس کا رشتہ کیوں نہیں جوڑتے۔ وہ عرب سیاح کی سندھ و ملتان آمد اوران کے سفر ناموں کے حوالوں کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟ جبکہ سرائیکی (ملتانی) زبان کے قدیم بے شمار نمونے مثال کے لیے موجود ہیں جن میں قدیم اُردو کے الفاظ کو با آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ برج اور پنجابی میں فرق کے لیے کسی نمونے کی عدم دستیابی بھی اُنہیں کام میں دشوار نظر آئی۔ اس کی ایک مثال عبدالرحمٰن ملتانی کی 'سندیس راسک' ہے جو قدیم بھاشا کی ایک کڑی ہے۔ جیسے سرائیکی (ملتانی) اور قدیم اُردو کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے(۳۸) محمود شیرانی، مسلمانوں کی دہلی آمد قطب الدین ایبک کے عہد آٹھویں صدی عیسوی سے لیتے ہیں اور اسی دَور میں مسلمانوں کا گروہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ دہلی لے گیا ہو گا لیکن اُس کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے۔

قدیم اُردو لغت میں لفظ 'کھٹ' (کھاٹ)، لاکھ (لکھ)، پاگ (پگ) وہ لفظ ہیں جو آج سرائیکی میں مستعمل ہیں جبکہ اُردو میں متروک ہو چکے ہیں۔ محمود شیرانی نے مولانا ابراہیم فاروقی 'شرف نامہ' جو نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے ایک مثال پیش کی ہے۔

کت بالفتح تخت، میاں یافتہ، ہند کھت نامند (۳۹)

مولانا ابراہیم فاروقی کے حوالے سے شیرانی کہتے ہیں کہ اُردو میں چارپائی کو ہم کھاٹ کہتے ہیں، پنجابی لہجے میں یہ کھٹ ہو گا۔ (۴۰)

اوپر کی مثال میں سرائیکی کا لفظ کھٹ بمعنی قدیم اُردو کھاٹ کا متبادل ہے جبکہ ٹھیٹھ پنجابی میں 'منجھی' بولتے ہیں۔ محمود شیرانی نے اپنی درج بالا مثالوں میں قدیم 'دہلوی' شعراء کی جو مثالیں درج کی ہیں اُن میں اکثر الفاظ ٹھیٹھ سرائیکی کے ہیں اور بہت سے پنجابی اور سرائیکی میں مشترک ہیں۔

حافظ محمود شیرانی 'تاریخ فیروز شاہی' میں 'شمس سراج غفیف' 'فیروز تغلق' کے شکار کے ذکر میں یہ فقرہ درج کرتے ہیں: ''وہ ہمنچیں اگر در تلے ود ہندے ماہی بود............تل ودھندا انداز ند''(۴۱)

محمود شیرانی اِس مثال کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ 'ڈھنڈ' ملتانی لفظ ہے جو بڑے گہرے تالاب یا جھیل کے معنی دیتا ہے۔ آج پنجاب میں بھی عام طور پر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی میں اِن ایام

میں بولا جا رہا تھا تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ پنجاب کا اثر دہلی پر کس قدر زبردست ہوگا۔ یہاں ملتانی اور ملتان صوبے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ تل کا لفظ سرائیکی میں تالاب اور تالا کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ ڈھنڈ دریا کی وہ شاخ ہے جو دریا سے اپنا راستہ الگ کر کے بہتی ہے۔

اُردو زبان کی پہلی تصنیف نویں صدی ہجری کی 'مثنوی نظام دکنی المعروف کدم راؤ پدم راؤ' ہے۔ اِس مثنوی میں مختلف زبانوں کے اثرات ملتے ہیں مثلاً کھڑی، پنجابی، سندھی، سرائیکی، راجستھانی، برج، گجری اور مرہٹیں تاہم اِس کا بنیادی ڈھانچہ وہی ہے جو آج اُردو زبان کا ہے۔

تمہیں ایک سا جا گسائیں امر
تیسرے دوے تین جگ توڑ آرکر (۴۲)

اِس مثنوی میں بے شمار ایسے الفاظ موجود ہیں جو سرائیکی زبان میں بھی بولے اور استعمال کیے جاتے ہیں۔ اِس لیے قدیم دکنی اُردو کے اِس نمونے کو سرائیکی کے قریب تر کہا جاتا ہے۔ اِس طرح گیارہویں صدی کی ملا وجہی کی 'سب رس' میں بھی سرائیکی (ملتانی) کے بہت سے الفاظ مل جاتے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی نے امیر خسرو کی نظم کے جو نمونے پیش کیے ہیں اُن میں سرائیکی زبان کے الفاظ نمایاں کیے گئے ہیں:

وہ گئے بالم وہ گئے ندیو کنار
آپے پار اُتر گئے ہم تو رہے اروار
بھائی رے ملا جو ہم کوں پار اُتار
ہاتھ کا دیوونگی مندرا گل کا دیووں ہار (۴۳)

[امیر خسرو]

کبیر نوبت آپنی دن دس لیہو بجائے (ص۱۴۱)

[شاہ کبیر]

روزے دہر دہر نماز گزاری دینی فرض زکوۃ
بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگہیں بکمین بات (ص۱۴۷)

[شیخ بہاءالدین باجن]

شیخ بڈھن جگ ساچر پیرو
نام لیت سدھ ہووے سریرو (ص۱۵۱)

[قطبن]

دہن کارن پی آپ سنوارا
بن دہن سکھی کنت کنھار (ص۱۵۲)
[شیخ عبدالقدوس گنگوہی]

نو کھنڈ ہو رجے اسمنہ آہے
سب پیو جہت تھیں جہتا ہوا ہے (ص۱۵۵)
[شاہ علی محمود گجراتی]

خوب محمد کیے بچار
چودہ کھاٹ اوس برس ہزار (ص۱۵۹)
[شیخ خوب محمد چشتی]

جو دُنیا میں کافر مسلمان کوں
منگے من سو بخشے بہو مان سوں (ص۱۶۳)
[احمد دکنی]

جن پچھوں دس کنہ پیایا
پھلہیں گا سنو دیس ملتانا (ص۱۶۵)
[شیخ عثمان]

چتر وسا تیرو ہے اُما ہوا داتا میکھ کہاوت
گربن تیا کوٹا جم گٹ تھیں ادل بدل لے آوت (ص۱۶۸)
[شیخ بہاؤالدین برنادی]

سنو سکھیو بکٹ میری کہانی
پھٹی ہوں عشق کے غم سوں نمانی (ص۱۷۴)
[مولانا محمد افضل پانی پت]

دیکھو اب خاک میں رُلتے کو آخر خاک ہو جانا
جنوں کے لال تھے ہیرے سدا مکھ پان کے بیڑے (ص۱۸۶)
[میر جعفر زٹلی] (۴۴)☆

حافظ محمود شیرانی نے جن قدیم پنجابی شعراء کی مثالی دیں ہیں۔اُن کے اشعار میں سے اُردو کے لفظ نمایاں کیے ہیں۔اُن میں اکثر سرائیکی (ملتانی) زبان کے شاعر ہیں مثلاً شیخ فریدالدین گنج شکر، سرائیکی زبان کے پہلے صوفی شاعر ہیں جن کا سرائیکی (ملتانی) کلام سکھوں کی مقدس کتاب گروگرنتھ میں شامل ہو جانے سے پنجابی نما ہو گیا ہے۔ڈاکٹر عذرا شوذب لکھتی ہیں:

''گجرات کے قدیم اُردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گجرات کے صوفیاء کرام اور شعراء کے بعض جملے اور مصرعے اُردو کے نہیں خالصتاً ملتانی (سرائیکی) کے ہیں۔شاہ میراں جی، ولی دکنی کے علاوہ امیر خسرو، بھگت کبیر، میر جعفر زٹلی وغیرہ کی شاعری میں ملتانی (سرائیکی) زبان کے الفاظ وتراکیب موجود ہیں۔''(۴۵)

حافظ محمود شیرانی سرائیکی (ملتانی) زبان کے کلاسیکی شعراء کو سامنے رکھ کر اگر اُردو کا پنجاب سے تعلق جوڑتے تو سرائیکی زبان میں پیش قیمت ادبی سرمایہ اُن کو دستیاب ہوتا۔اور شیرانی صاحب کو اپنے کام میں وہ دقت پیش نہ آتی جو انہیں پنجابی زبان کے محدود ادبی حوالوں میں اُٹھانا پڑی۔

حافظ محمود شیرانی نے عبدالحکیم اُچوی (۴۶) کی مثنوی 'یوسف زلیخاں' کی جو بے شمار مثالیں پنجابی بنا کر پیش کی ہیں وہ دراصل سرائیکی (اُچوی بولی) میں ہیں۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری، حافظ محمود شیرانی کے پنجاب میں اُردو کے حوالے سے تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمان اہل علم نے اُردو کا سنگ بنیاد دہلی میں رکھ کر اس کا نشوونما عربوں کے عہد میں دکھایا اور شاہجہاں کے عہد میں پروان چڑھا۔مولانا شیرانی پنجاب کو اس کا مولد بتاتے اور غزنیوں کے عہد میں اسے پھولتا پھلتا دکھاتے ہیں۔بات ایک ہی ہے مولانا شیرانی عام مسلمان اہل علم کے خلاف اُردو کی قدامت کے قائل ہیں۔وہ اس کے آغاز کو مغلوں یا خلیجوں سے پیچھے ہٹا کر غزنوی کے عہد تک لے گئے یہ اور بات ہے کہ اِن کی کوشش رائیگاں گئی۔اُردو وہیں ہے جہاں مسلمان اہل نے اسے رکھا تھا۔مولانا نے اُردو کی قدامت دکھانے کیلئے قلم اُٹھایا۔اُردو کی بدقسمتی ہے کہ اُن کا قلم اعجازِ رقم پنجابی کی قدامت دکھانے کیلئے فراٹے بھرنے لگا۔''(۴۷)

سرائیکی اور اُردو کے لسانی تعلق کا ایک بڑا حوالہ حافظ محمود شیرانی کے لسانی نظریات پر مبنی ''مقالات'' اور 'پنجاب میں اُردو' تھا۔جس پر بہت سے اعتراضات ہوئے اُن میں پنجابی اور سرائیکی (ملتانی) زبان کو ایک ہی تناظر میں پیش کرنا تھا۔۱۹۸۰ء میں حافظ محمود شیرانی کے پوتے (اختر شیرانی کے فرزند) نے محمود شیرانی کے مقالات کو جمع کیا تا کہ حافظ محمود شیرانی کے لسانی نظریات سے جو ابہام پیدا ہوا ہے اُن کا جواب دیا جا سکے چناں چہ ۱۹۹۳ء میں

'حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی خدمات' جلد اوّل و دوم پر مشتمل دو کتابیں شائع ہوئیں۔ جدید لسانی معیار کے مطابق ترتیب دی ہوئی اِس کتاب میں 'اُردو کا ارتقاء کس زبان سے ہوا؟' کے عنوان میں حافظ محمود شیرانی کا حوالہ اِس طرح ہے:

''اِس کے متعلق شہادت لسانی کافی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔''(۴۸)

مظہر محمود شیرانی درج بالا اقتباس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اپنے نظریات کی تائید میں شیرانی صاحب نے تاریخی اور تقابلی دونوں قسم کی شہادتیں پیش کی ہیں۔ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ شیرانی صاحب گریرسن اور اس کے متبعین کی پنجابی زبان کی مشرقی اور مغربی پنجابی میں تقسیم کو تسلیم نہیں کرتے۔اس کے باوجود اُردو زبان کو مشرقی پنجابی کی بجائے ملتانی کے مماثل پاتے ہیں۔''(۴۹)

مظہر محمود شیرانی مزید لکھتے ہیں:

''اِس بیان کی اہمیت (جو اُردو صرف ونحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے) دو اعتبار سے ہے ایک تو یہ شیرانی صاحب مسلمانوں کے ہاتھوں سندھ اور ملتان کی فتح کے نتیجے میں قائم لسانی روایت کے تسلسل کو تسلیم کررہے ہیں۔دوسرے وہ ان ماہرین لسانیات کی تردید کررہے ہیں کہ 'اُردو' کو 'مشرقی پنجابی' سے مشتق بنا کر اِس میں ''مغربی ہندی'' کے اثرات محدب شیشے کی مدد سے تلاش کرتے ہیں۔''(۵۰)

مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی کے اُردو کی بنیاد پنجاب کی قدیم ملتانی زبان کو قرار دینے کے موقف کی وضاحت میں درج ذیل حوالے دیتے ہیں۔

''پنجاب میں ملتانی زبان اور ملتان شہر(۵۱) کو قدیم زمانے سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ صاحب 'کشف المحجوب' (داتا گنج بخش، وصال ۱۰۷۲ء) کے قول کے مطابق لاہور تو اِن دنوں 'یکی از مضافات ملتان' تھا۔شیرانی صاحب اِس اہمیت سے کما حقہ واقف ہیں۔''پنجاب میں اُردو'' کے متن سے جابجا اِس اَمر کی تصدیق ہوتی ہے۔''(۵۲)

مظہر محمود شیرانی درج بالا اقتباس کی مثال دیتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ اُردو کی داغ بیل اسی دن پڑنی شروع ہوئی ہے جس دن سے مسلمانوں نے ہندوستان میں آ کر توطن اختیار کرلیا ہے۔۔۔سندھ و ملتان پر مسلمان پہلی صدی ہجری میں قابض تھے۔''(۵۳)

ہندو مسلم اتحاد کا سب سے پہلا مرکز سندھ و ملتان تھا جو غزنوی عہد سے تین سو سال قبل قائم ہو چکا تھا:
''ہندی اور ایرانی تمدن کا سنگم سندھ و ملتان میں غزنوی عہد سے بیشتر ہو چکا تھا۔''(۵۴)

مظہر محمود شیرانی نے حافظ محمود شیرانی کے لسانی نظریات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اُس کے مطابق اُردو برج بھاشا کے مقابلے میں پنجابی، بالخصوص ملتانی زبان سے مماثلت قریبہ رکھتی ہے۔(۵۵)

پروفیسر سیّد احتشام حسین، بیمز کی کتاب "An Outline of Indian Philology" (طبع سوم) ۱۹۶۳ء کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''پنجابی اور بالخصوص مشرقی پنجابی'' کے الفاظ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موصوف (حافظ محمود شیرانی) اُردو کے آغاز کے علاقے کو دہلی کی جانب کھینچ رہے ہیں اور مغربی پنجاب خصوصاً ملتان کی اہمیت کو نظر انداز کر رہے ہیں۔''(۵۶)

حسام الدین راشدی ملتان کی علم ادبی اور مرکزی حیثیت کے معترف ہیں اور پنجاب میں اِس کی تقسیم کو وقت کا حادثہ قرار دیتے ہیں:

> ''ملتان جیسا کہ اہلِ علم کو معلوم ہے کہ خاص ملک سندھ کے صدر مقامات میں شامل تھا۔ پنجاب میں اِس کی شمولیت بہت بعد کا حادثہ ہے۔''(۵۷)

اُردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء کا عمل سندھ میں ہوا یا دہلی میں، ملتان میں ہوا یا پنجاب میں، دکن میں ہوا یا گجرات میں، ہمارا اِن تمام نظریات سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ بیشتر ماہرینِ لسانیات اور مورخین زبان و ادب کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ اُردو کی نشو ونما اور ارتقا کا عمل اُس وقت شروع ہوا جب مسلمان برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں نے کون سا راستہ اختیار کیا تھا اور پہلی مسلم حکومت کہاں قائم ہوئی۔ عربی، فارسی اور ترکی زبان کے اثرات سب سے پہلے کس علاقے اور زبان پر پڑے۔ مسلم فاتحین کے قدم ابھی وادیِ گنگا میں نہیں پہنچے تھے کہ ۹۵ھ سے ۴۵۰ھ تک چار صدیوں پر مشتمل کسی ایک سرزمین پر مسلمانوں کے بہت سے گروہوں کا ہجرت کر کے آنا اور ایک خاص علاقے کو اپنا مسکن بنا لینا۔ کئی سالوں تک عربی اور فارسی کا دفتری زبان کے طور پر رائج ہونا۔ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کا مقامی باشندوں پر تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اثرات کا گہرے طور پر مرتب ہونا۔ اُردو کی ابتداء سے متعلق اِن تمام نظریات اور خیالات کا جواب فراہم کر رہا ہے جس کی جستجو میں مورخین زبان و ادب اور ماہرینِ لسانیات نے اپنے اپنے نظریات اور خیالات پیش کیے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ محمد بن قاسم کی آمد (۷۱۲ء) کے بعد اُردو زبان ''سندھ و ملتان'' میں پیدا ہو چکی تھی بلکہ خود سرائیکی (ملتانی) زبان مختلف لسانی اختلاط سے گزرتی رہی اور کئی صدیوں تک ایک نئی مخلوط زبان لسانی تشکیل کے

عمل سے گزرتی ہوئی، عربی و فارسی اور سندھ اور ملتان کی مقامی زبانوں کا ملاپ لیے سندھ سے ملتان اور ملتان سے لاہور اور پھر لاہور سے دہلی پہنچی۔ اُردو جسے پاکستان کی زبان کہتے ہیں کا ہیولیٰ سندھ اور ملتان میں ہوا اور پھر پنجاب میں ہوتا ہوا دہلی اور اُس گردونواح میں ارتقا پذیر ہوا۔ اِس تمام بحث اور نظریات کو ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ''سرائیکی (ملتانی) زبان کی حقیقت'' کے اِس نظریے پر ختم کرتے ہیں کہ:

> ''دہلوی اُردو اور دکنی اُردو کا پنجابی کی نسبت سرائیکی (ملتانی) سے زیادہ قرب اور اشتراک، اُردو زبان کا سرائیکی (ملتانی) سے لسانی تعلق، کے نظریے کو قطعی طور پر ثابت کرتا ہے۔''(۵۸)

حوالہ جات و حواشی

۱۔ محمود شیرانی، حافظ: پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوین: محمد اکرام چغتائی، مشمولہ: پیش گفتار، لاہور: سنگ میل پبلی کیشن، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۔

۲۔ ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، اعظم گڑھ، دارالمصنّفین، ص ۳۸۱-۳۸۰

۳۔ ایضاً، ص ۳۸۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۳۶۵-۳۶۸۔

۵۔ یحییٰ امجد، تاریخ پاکستان، وسطی دور، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۵۔

۶۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور: کتاب، طبع چہارم ۱۹۷۲ء، ص ۶۶

۷۔ ایضاً، ص ۶۸

۸۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۔

۹۔ محمود شیرانی، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، ص ۷۵۔

10. George Greirson, Linguistic Survey of India, Superintendent Government Printing Govt of India Calcutta, 1919, Vol I Part , P. 115 to 117.

۱۱۔ میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، لسانیاتِ پاکستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۲۱

۱۲۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، ص ۸۰

۱۳۔ محمود شیرانی، حافظ: پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوین: محمد اکرام چغتائی، ص ۴۷۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، ص ۸۲

۱۷۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوّین: محمد اکرام چغتائی، ص ۸۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۸۸

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً، ص ۸۹

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً، ص ۹۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۹۲

۲۵۔ ایضاً، ص ۹۳

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً، ص ۹۴

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ میمن عبدالمجید سندھی، لسانیات پاکستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۴۳

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۳۳۔ ابنِ اکبر، اجمل مہار، نجات المومنین ایک قدیم سرائیکی قلمی نسخے کا تعارف، جرنل آف ریسرچ، فیکلٹی آف لسانیات، ملتان: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰، ص ۳۵۵

۳۴۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوّین: محمد اکرام چغتائی، ص ۱۰۱

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۳۷۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، ص ۱۱۷

۳۸۔ عبدالرحمٰن، سندیس راسک، مرتبہ: ڈاکٹر انوار احمد، مشمولہ: چند باتیں، ملتان: شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰

۳۹۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، ص ۱۱۸

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوّین: محمد اکرام چغتائی، ص ۱۰۷

۴۲۔ میمن عبدالمجید سندھی، لسانیات پاکستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۴۳

۴۳۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، ترتیب و تدوّین: محمد اکرام چغتائی، ص ۱۲۷

۴۴۔ دہلوی گجراتی، دکنی دَور کے شعراء، کے کلام میں قدیم اُردو کے بہت سے الفاظ جن کی مثالیں محمود شیرانی نے مختلف شعراء، مثلاً امیر خسرو، شیخ شرف الدین احمد منیری، شاہ کبیر شیخ بہاؤ الدین باجن، قطبین، شیخ عبد القدوس گنگوہی، شاہ علی محمود گجراتی، شیخ خوب محمد چشتی، احمد دکنی، شیخ عثمان، مولانا محمد افضل پانی پت، محبوب عالم، میر جعفر زٹلی، سید اٹل نارنولی وغیرہ شامل ہیں۔

۴۵۔ عذرا شوذب، ڈاکٹر، ملتان میں اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء، ملتان: بزمِ ثقافت، ۲۰۰۹ء، ص ۴۴

۴۶۔ مولوی عبدالحکیم اُچوی، جید عالم اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ سرائیکی کے نامور شاعر بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف 'یوسف زلیخاں' ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء میں لکھی گئی۔ (اُچوی عبدالحکیم مولوی، یوسف زلیخاں، بشیر احمد ظامی بہاؤلپور اُردو اکیڈمی، باراوّل، ۱۹۷۸ء)

۴۷۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان اُردو (باراوّل)، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۰ء، ص ۳۸-۳۹

۴۸۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، مرتبہ: محمد اکرام چغتائی، مذکور، ص ۲۳

۴۹۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی خدمات، مذکور، ۲۰۲

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں ''یاد رہے ملتان پر مسلمان پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پانچ برس قبل قابض ہو چکے تھے۔ اُدھر لاہور پر سلطان محمود ۱۰۲۳ء میں مستقل قبضہ کرتا ہے۔ یہ تین سو سال کا عرصہ بھی ملتان اور اِس کے نواح کو لاہور کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم بنا دیتا ہے۔ غزنوں کے پنجاب پر مستقل قبضے کے بعد بھی اِن کے مقبوضات میں قریب قریب وہ علاقے بھی شامل تھے جو آج پاکستان کا حصہ ہیں۔ اس اعتبار سے گریرسن کے مفروضے مشرقی پنجابی بولی کے مقابلے میں مغربی پنجاب کی ملتانی زبان، اُردو کے ارتقا میں کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ (مظہر محمود شیرانی: ''حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی خدمات''، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۲۷۵)

۵۲۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی خدمات، ص ۲۰۵

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایضاً ص ۲۴۱

۵۷۔ ایضاً، مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی خدمات (جلد اوّل)، ص ۲۶۷، (بحوالہ: رسالہ اُردو، بابت اپریل ۱۹۵۱ء، ص ۲۶۷)

۵۸۔ عبدالحق مہر، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، ص ۶۸۸

❀❀❀